کامیابی ہماری
حرص رسول اللہ ﷺ کی

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کامیابی ہماری حرص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نگہت ہاشمی

کامیابی ہماری حرص رسول اللہ ﷺ کی

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : کامیابی ہماری حرص رسول اللہ ﷺ کی

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : مئی 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون 042-7060578-70605[illegible]

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1 ' کینال روڈ' فون: 041 - 872 1851

بہاولپور : 7A ' عزیز بھٹی روڈ' ماڈل ٹاؤن اے' فون: 062 - 2875199

2885199 ' فیکس : 062 - 2888245

ملتان : 888/G/1 ' بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی' بوسن روڈ' گلگشت

فون: 061 - 600 8449

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز 48-B کرین مارکیٹ بہاولپور

قیمت : روپے

ابتدائیہ

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لیے اخلاص چاہتا ہے۔جن افراد کو وہ اپنی ذات کے ساتھ مخلص[sincere] سمجھتا ہے انہی پر اعتماد کرتا ہے اور انہی سے اپنے زندگی میں تعلقات بنانا اور نبھانا چاہتے ۔اس وجہ سے اُس کے لیے یہ بات ہمیشہ باعثِ تسکین بنتی ہے کہ

کوئی ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔

کوئی ہے جو میری بھلائی چاہتا ہے۔

کوئی ہے جسے میری کامیابی عزیز ہے۔

کوئی ہے جس کے لیے میں اہم ہوں۔

لیکن

حقیقی مخلص وہ ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب دیکھنا چاہے اور اس کامیابی کے حصول کے لیے اُس کی مدد کرے۔اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آلِ عمران :185)

”کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل

کردیا جائے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"گویا میں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر تمہیں آگ سے روکتا ہوں اور تم ہو کہ آگ کے گڑھے میں گرنے کے لیے لپکے جا رہے ہو۔"

"کامیابی ہماری حرص رسول اللہ ﷺ کی" یہ وہ موضوع ہے جس پر محترمہ نگہت ہاشمی صاحبہ نے چناب کلب فیصل آباد میں النور انٹرنیشنل کے معاونین کے لیے منعقد کی جانے والی ورکشاپ 'ایک منظّم داعی الی اللہ' میں دو گھنٹے پر مشتمل لیکچر دیا۔ اس لیکچر کے دوران اور بعد میں شرکاء کو بھی اظہارِ رائے کا موقع فراہم کیا گیا۔ اس لیکچر کے توسط سے اللہ کے رسول ﷺ کی ذات کے ساتھ حقیقی تعلق جڑا۔

سمجھانے کا انداز اِس قدر سادہ، حقیقی اور احساسات سے پُر تھا کہ محسنِ انسانیت ﷺ کے احسانات کا حقیقی شعور نصیب ہوا الحمدللہ۔ یہی تو وہ سچا تعلق ہے جو اگر ایک مسلمان کو نصیب ہو جائے تو وہ آج بھی انسانیت کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کا عزم کر لے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے کا مسافر بن جائے۔

یہ بات چیت اس کتابچے کی صورت میں فائدہ تو دے گی ہی لیکن اگر حقیقی احساسات اُجاگر کرنا چاہتے ہیں تو اسی نام سے سی ڈی میں یہ لیکچر موجود ہے، ضرور فائدہ اٹھائیے۔

خود پڑھیے۔۔۔۔۔۔دوسروں کو پڑھوائیے۔

خود سنیے۔۔۔۔۔۔دوسروں کو سنوائیے۔

پبلشنگ سیکشن

النور انٹرنیشنل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (128) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (129) (التوبہ)

”دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ اب اگر یہ لوگ تم سے منہ پھیرتے ہیں تو (اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ بس کافی ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ مالک ہے عرشِ عظیم کا“۔

سینکڑوں برس پہلے ایک اعلان کیا گیا۔ایک خوشخبری دی گئی۔ساری انسانیت کونوید دی گئی۔یہ خبر جہانوں کے بادشاہ نے دی!

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ

''دیکھو!تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جوتم ہی میں سے ہے''۔

ہے تو تمہارے جیسا لیکن کام بڑا کرتا ہے۔تمہارے جیسا شعور ہے،تمہارے جیسی ضروریات،تمہارے جیسے جذبے،تمہارے جیسے احساسات لیکن ہے وہ اللہ کا رسول، ہے وہ پیام دینے والا۔

جانتے ہیں پیغام کون دے سکتا ہے؟ جو پہلے پیغام Recieve کرے، جو پہلے پیغام کوقبول کرے اور پیغام کوقبول کرنے والا پہلے اپنی ذات کے لیے قبول کرتا ہے، پھر پیغام آگے پہنچاتا ہے اور اپنی ذات کے لیے قبول وہ کرتا ہے جو اسے اپنے لیے سب سے زیادہ مناسب سمجھتا ہے۔فرمایا:

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ

''لوگو!تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آ گیا ہے۔''

'تم ہی میں سے' سے کیا مراد ہے؟ یعنی اگر وہ اسے اپنے لیے ضروری خیال کرتا ہے، مناسب خیال کرتا ہے، اسے اپنے لیے اچھا پاتا ہے تب اس کی یہ حالت ہے کہ وہ تمہارے

لیے اتنا زیادہ مخلص ہے۔ فرمایا:

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

''تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے۔''

اس پر گراں گزرتا ہے کہ تم مشقت میں پڑو، مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ، تمہیں کوئی دُکھ پہنچے، تم کسی نقصان میں رہو، گھاٹے میں مبتلا ہو جاؤ، یہ بات اس کے لیے قابلِ برداشت نہیں۔

آپ نے ماں کو دیکھا ہے؟ بچے کو اگر کوئی چیز نقصان پہنچا رہی ہو تو ماں کیا کرتی ہے؟ رہ نہیں سکتی، بچہ کوئی غلط چیز کھانا چاہے، اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا ہے اور ماں کا ہاتھ اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کے اسے پیچھے کھینچ لیتا ہے۔ ماں صرف زبان سے نہیں کہتی، عمل سے ثابت کرتی ہے، کہیں میرا بچہ نقصان میں نہ پڑ جائے۔ اگر بچے کو سمجھ نہیں تو ماں سمجھتی ہے کہ مجھے جو پتہ ہے، میں نے اسے آگے بڑھ کر پکڑ لینا ہے۔

کبھی آپ نے نوٹ کیا کہ کوئی بچہ اچانک شدت کی گرمی میں تپتے ہوئے فرش پر پاؤں رکھ دے، جب اس کا پہلا پاؤں پڑتا ہے تو وہ گرمی کی شدت محسوس کرتا ہے لیکن اس کے مزید تکلیف اٹھانے سے پہلے ہی ماں بھاگ نکلتی ہے کہ کہیں اس کے پاؤں میں چھالے نہ پڑ جائیں، کہیں وہ آگ کی گرمی نہ برداشت کرے، بھاگ کے اسے جا کے اٹھا لیتی ہے۔ میں ایک ماں ہونے کے ناطے اپنے بچوں کے حوالے سے ہمیشہ فکرمند ہوتی ہوں۔ بچہ اگر چھوٹا ہو اور کہیں پر پیڈسٹل فین لگا ہو، ہمیشہ میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ میرا بچہ بچ جائے، میری ایک نظر بچے پر ہوتی ہے اور ایک نظر پنکھے پر کہ کہیں اس کی انگلیاں پنکھے کے پروں کے میں نہ آ جائیں۔ میرے بھائی کی انگلیاں پیڈسٹل فین میں آئیں اور ان کی پوریں کٹ کے دور جا گریں جو تلاش کے بعد مل گئیں، پھر اُس کو ٹانکے لگوائے گئے، اُس نے کافی دکھ کاٹا اور اس دکھ کا احساس ہمیشہ خطرے کی گھنٹی بن جاتا ہے جس کی وجہ سے میں لپکتی ہوں کہ اپنے بچے کو بچا لوں، کہیں

اُس کو نقصان نہ پہنچ جائے۔اسی طرح چھوٹے بچے کے لیے میری کوشش ہوتی ہے کہ کہیں کوئی سوئچ، کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے اُس کی جان کو خطرہ لاحق ہو جائے۔

میں نے ماؤں کے عمومی حالات کی مثال اس لیے دی ہے کہ یہ بڑا فطری معاملہ ہے، جس انسان کو خطرے کا احساس ہوتا ہے اور پھر دوسرے کے ساتھ اس کا گہرا تعلق بھی تو وہ آگے بڑھ کر اُسے کھینچ کر بچالینا چاہتا ہے۔رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بتایا ہے، یہ رسول ایسا ہے کہ تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا، تمہارا دکھ کاٹنا، تکلیف کاٹنا اس پر بہت شاق ہے، اس پر بڑا گراں گزرتا ہے۔

انسان کی مشقت کیا ہے؟ دُکھ کیا ہے جس سے یہ رسول بچا رہا ہے، جس کو یہ رسول محسوس کرتا ہے؟ کیا دکھ تھا رسولوں کو؟ کیوں وہ انسانوں کے بارے میں اتنا زیادہ حساس رہے، مخلص رہے کہ کسی طرح ان لوگوں کو بچالیں؟ لوگوں کی خاطر انھوں نے دکھ کاٹے، پتھر کھائے لیکن بددعائیں نہیں دیں، اُنہوں نے گالیاں سہیں، طعنے برداشت کیے، اپنے خلاف ہونے والی قتل کی سازشوں کو برداشت کیا جیسے ہم نے مردِ مومن کے بارے میں پڑھا کہ اُس کو قتل کر دیا گیا لیکن اخلاص کتنا ہے کہ خیر خواہی ختم نہیں ہوئی۔بس یہی چاہت ہے کہ میری قوم کو صحیح بات کا پتہ چل جائے تاکہ وہ بچ جائیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

رسول کس چیز سے بچانا چاہتے ہیں؟

کیا سمجھانا چاہتے ہیں انسانوں کو؟

کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں بتایا ہے کہ تمہارے پاس بھی ایک رسول آ گیا ہے، وہ تمہیں بچانا چاہتا ہے مشقت سے، تکلیف سے تو انسانوں کا دکھ کیا ہے؟ المیہ کیا ہے؟

طالبہ 1: اصل میں رسول چاہتے تھے کہ اُن کی قوم آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچ سکے، وہ گناہوں سے باز آجائیں، وہ چاہتے تھے کہ یہ قرآن کے راستے پر چلیں، ایسے کام نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہوں۔ اس بات سے وہ ان کو بچانا چاہتے تھے، اس وجہ سے اُن کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔

طالبہ 2: رسول انسانوں کو ہمیشہ کی زندگی کا فائدہ دینا چاہتے تھے اور ہمیشہ کی زندگی جو آخرت کی زندگی ہے اس کے نقصان سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 3: جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، انسان اُسی کے کیوں نہیں ہو کر رہتے؟ اسی کی طرف وہ بار بار دعوت دیتے تھے۔

طالبہ 4: وہ انسانوں کی گمراہیاں دور کرنا چاہتے تھے، انسانوں کو بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 5: اللہ تعالیٰ کا جو پیغام رسولوں تک آیا، ان کی نظروں میں آخرت کی حقیقت اتنی واضح ہو گئی تھی کہ اب ان سے انسانوں کی گمراہی برداشت نہیں ہوتی تھی، وہ ان کو گمراہیوں سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 6: رسول لوگوں کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لانا چاہتے تھے۔

طالبہ 7: رسول انسانوں کو اُن کا مقصدِ زندگی بتانا چاہتے تھے اور اُنہیں دوزخ کی آگ سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 8: دین کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے انسان جن توہمات اور مشکلات میں پڑ جاتے ہیں، رسول ان مشکلات سے بچانا چاہتے تھے کہ دین تو ایک طریقۂ زندگی ہے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اگر انسان دین کو قبول کر لیں تو ان کی زندگی آسان ہو جائے گی۔

طالبہ 9: رسول انسانوں کو آگ سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 10: رسول چاہتے تھے کہ لوگ دَر دَر پھرنے کی بجائے ایک اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کر لیں۔

طالبہ 11: انسان دنیا میں گم نہ ہو جائیں، آخرت کی فکر کر لیں۔

طالبہ 12: جس طرح ہمیں علم ملا ہے تو اب ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو بتا دیں اور وہ نہیں مانتے تو ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح رسولوں کو یقین آ گیا تھا اور اُن کو پتہ چل گیا تھا کہ اگر یہ لوگ بات نہیں مانیں گے تو دوزخ میں چلے جائیں گے، اسی لیے وہ دوسروں کو آگ سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 13: انسان کی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ انسان اپنی فطرت سے ہٹتا ہے، مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے اور شیطان کے چنگل میں جا پھنستا ہے تو رسول اسی سے بچانا چاہتے تھے۔

طالبہ 14: انسانوں کو انسانیت کا مقام دکھانا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے۔

طالبہ 15: انسانوں کی سب سے بڑی مشقت انسانوں کی غلامی ہے اور رسول انہیں انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی غلامی کے تحت لے کر آنا چاہتے تھے۔

طالبہ 16: رسولوں کو پتہ چل گیا تھا کہ یہ دنیا بہت چھوٹی ہے اور اس نے بہت جلد ختم ہو جانا ہے اور ہمیشہ کی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ رسول انسانوں کو یہی پہچان دلانا چاہتے تھے۔ چونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھا تھا، اُنہیں اندازہ تھا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں۔

طالبہ 17: انسان کی ایک مشقت یہ بھی ہے کہ اگر رسول کا لایا ہوا طریقۂ زندگی نہ اپنایا جائے

تو پھر سمجھ نہیں آتی کہ کیا کریں؟ کس کس کی مانیں؟ انسان ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

طالبہ 18: مشقت یہ ہے کہ انسان سفر طے ہی کرتا رہے اور اسے منزل نہ ملے۔ منزل کو کھو دینا، منزل کا واضح تصور نہ ہونا، یہ مشقت ہے۔ سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ (البلد:1)

”نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور حال یہ ہے (کہ اے نبی ﷺ!) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے اور قسم کھاتا ہوں باپ (یعنی آدم علیہ السلام کی) اور اس اولاد کی جو اس سے پیدا ہوئی، درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔“

مشقت میں تو انسان ہے، وہ جو بھی کام کرے گا ہونا مشقت سے ہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا:

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

”تمہارا مشقت میں پڑنا اس کو شاق گزرتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مشقت میں پیدا کیا اور رسول ﷺ کو مشقت میں پڑنا شاق ہے تو یہ دو باتیں آپس میں کیا مطابقت رکھتی ہیں؟ اب عمومی بات نہیں ہوگی، اب ہم نے اس کا رابطہ جوڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشقت میں پیدا کیا اور رسول ﷺ کو مشقت گراں گزرتی ہے۔ ہم زندگی کے مراحل [steps] کے حوالے سے دیکھتے ہیں کہ انسان کہاں کہاں مشقت کاٹتا ہے؟

جب پیدا ہوتا ہے، تھوڑا بڑا ہوتا ہے، جب ذمہ دار نہیں ہوتا، پھر جب ذمہ دار بن جاتا

ہے، کہیں اس کی ذاتی زندگی ہے، یعنی انفرادی زندگی کا سفر ہے، کہیں اس کے جذبے اور خواہشات ہیں جو زندگی کے ہر میدان میں اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، کہیں اس کے خُلق کا معاملہ ہے، کہیں اس کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے، کہیں کمانا ہے، کہیں خرچ کرنا ہے، یہ مشقت کیسی ہے؟ کل بھی انسان مشقت اٹھارہا تھا اور مشقت اس کے لیے آج بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے مشقت میں ڈالا اور اُسی نے اپنے رسولوں کے ذریعے اِسے مشقت سے نکالا تو ہم اس کو Theoretically بھی دیکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ زندگی سے عملی اعتبار سے بھی کہ آپ ﷺ خود کیسے اس مشقت سے نکلے تھے؟ یوں ہمارے لیے سمجھنا آسان ہوجائے گا کہ ہماری کون سی مشقت رسول اللہ ﷺ کو ناگوار تھی؟

رسول اللہ ﷺ مشقت سے کیسے نکلتے تھے؟ سورۃ الم نشرح میں اس کا تذکرہ ہے، رب العزت فرماتے ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (الم نشرح:1)

’’کیا ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کا سینہ کھول نہیں دیا؟‘‘

پہلی مشقت کیا ہے؟ سینے کا بند ہوجانا، ضیقِ صدر۔ ایسے ہی یہ سینہ نہیں کھلا تھا، آپ ﷺ مسلسل مشقت میں مبتلا تھے۔ پھر سینہ کہاں جاکے کھلا؟ کیسے کھلا؟ یہ ہم دیکھیں گے لیکن پہلا پوائنٹ نوٹ کرلیں اور یہی کرنے کے کام ہیں۔ جو رسول ﷺ کے راستے پہ چلنے والا ہے اُس نے یہی کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ (الم نشرح:1)

’’کیا ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کا سینہ کھول نہیں دیا؟‘‘

آپ ﷺ خود نہیں کھول سکتے تھے اور یہاں ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ رسولوں کے لیے بھی اپنی مشقت دور کرنا ممکن نہیں تھا، رسول مشقت پر تکلیف محسوس کر

سکتے ہیں لیکن مشقت دور نہیں کر سکتے۔ اصل میں اس کو دور تو رب نے کرنا ہے۔ رسول نے تو راستہ دکھانا ہے، اُس نے تو پیغام دینا ہے، وہ تو ہادی ہے، وہ تو رہنما ہے، راستہ دکھانے والا، راستے پر چلانے والا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:56)

''(اے نبی ﷺ!) تم جسے چاہو اُسے ہدایت نہیں دے سکتے۔''

پھر ہدایت کون دیتا ہے؟

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:56)

''مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''۔

یہاں پہلی مشقت ہم نے دیکھی، ضیقِ صدر اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ شرحِ صدر اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ دوسری بات کیا ہے؟ رب العزت فرماتے ہیں:

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ (الم نشرح:4)

''تم پر سے وہ بھاری بوجھ اُتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا''۔

بوجھ کیا تھا؟ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دیکھنا چاہیں، لمبی مدت نہ سہی، کم از کم اتنی دیر جب ربیع الاول میں آپ ﷺ کو سچے خواب آنے شروع ہوئے اور جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی، یہ چھے ماہ کا عرصہ بنتا ہے اور اس بارے میں اختلاف ضرور ہے کہ یہ لمبا تھا یا چھوٹا لیکن بہرحال ایک عرصہ ضرور گزرا تھا۔ اب آپ یہ دیکھیے کہ اتنی دیر میں آپ ﷺ کون سی مشقت میں مبتلا تھے؟ کس وجہ سے پریشان تھے؟ کون سی چیز تھی جو آپ ﷺ کی کمر توڑے دے رہی تھی؟ آپ ﷺ کو غم کس چیز کا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ

''تمہارا مشقت میں پڑنا اس کو شاق ہے۔''

ابتداء تو یہیں سے ہوئی تھی، غم لاحق ہو گیا تھا۔ غم کس چیز کا تھا؟ انسانوں کی گمراہی کا۔ انسان راستہ گم کر بیٹھے ہیں۔ ان کے پاس کوئی منزل نہیں۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ نہ یہ سمجھ آتی ہے کس کی طرف رجوع کریں؟ نہ یہ سمجھ آتی ہے کہ یہ خون ریزیاں کیسے ختم ہوں؟ نہ یہ سمجھ آتی ہے کہ بچیاں زندہ دفن ہونے سے کیسے بچ جائیں؟ نہ یہ سمجھ آتی ہے کہ انسانوں کا استحصال کیسے ختم ہو؟ آپ ﷺ کو غم کس چیز کا تھا؟ معاشرے کی خرابی اور بربادی کا، معاشی حالات کی خرابی کا اور سیاسی حالات کی خرابی کا۔

آپ ﷺ کو انسان کا دکھ تھا کہ وہ مشقت میں ہے، مجبور ہے، بے بس ہے، دُکھ میں ہے، تکلیف میں ہے اور کوئی روشنی نہیں، کوئی روزن، کوئی سوراخ بھی نظر نہیں آتا جہاں سے روشنی کی کرن آ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ”تم پر جو بھاری بوجھ تھا، جو تمہاری کمر توڑے دے رہا تھا، کیا ہم نے وہ اُتار نہیں دیا؟“

آپ ﷺ کا بوجھ ساری انسانیت کا بوجھ تھا۔ آپ ﷺ انسانیت کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے۔ انسانیت کو غموں، دُکھوں، پریشانیوں، گمراہیوں اور بے راہ رویوں سے نجات دلانے کے لیے آئے، فساد اور بگاڑ سے بچانے کے لیے آئے۔ فساد کہاں تھا؟ انسان کی سوچ میں، اُس کے عقیدے میں، اُس کے اخلاق میں اور اُس کے معاملات میں۔ اگر بگاڑ کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کہ اگر وہی ماحول ہوتا تو ہم میں سے کتنی ہی ہستیاں آج یہاں موجود نہ ہوتیں، پیدا ہوتے ہی ہماری مائیں ہمیں زندہ گاڑ دیتیں۔

آپ ذرا اس ماحول کا اندازہ لگائیں جہاں ایک دردِزہ [delivery pain] برداشت کرتی ہوئی ماں کی چارپائی کی پائنتی کی طرف گڑھا کھدا ہوا ہوتا تھا کہ اگر بیٹا ہوا تو اُٹھا لیں گے اور بیٹی ہوئی تو سیدھی اس گڑھے میں چلی جائے گی۔ یہ دکھ تھا محمد ﷺ کو کہ

کیسے بچائیں؟

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، دکھ کو محسوس کرنا چاہیں تو اس روایت سے محسوس کر سکتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک بیٹی تھی اور میری بیوی نے اس کی پیدائش کو مجھ سے چھپالیا کیونکہ باپ کے علم میں آنے کے بعد بچی سے زندگی کا حق چھن جایا کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ ہمسائیوں کی ایک بچی سے مجھے بہت محبت ہوگئی، وہ میرے پاس آتی تھی تو میری بیوی دھوکے میں آگئی، اُس نے سمجھا کہ شاید میں اُس سے پیار کرنے لگا ہوں، اس نے مجھے بتادیا کہ یہ آپ کی بیٹی ہے اور اس دن سے مجھے غم لاحق ہوگیا کہ یہ زندہ کیوں ہے؟ پھر جس وقت وہ بچی میرے گھر آگئی، مجھ سے مانوس ہوگئی، ایک روز میں اُسے اُنگلی سے لگا کر جنگل کی طرف لے چلا۔ وہ اپنی زبان میں مجھ سے باتیں کرتی جا رہی تھی، پھر میں جنگل کے بیچوں بیچ پہنچا، میں نے ایک گڑھا کھودا، وہ اپنے ہاتھ سے مٹی پرے کرتی رہی اور پھر یوں ہوا کہ میں نے گڑھا کھودلیا، اس میں اس بچی کو بٹھادیا، میں اس پر پتھر اور مٹی پھینکتا جاتا تھا اور وہ مجھے ابا ابا پکارتی جاتی تھی اور پھر اُس کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ (داری 4,3/1)

اُس بچی کی جگہ خود کو محسوس کر کے دیکھیں کہ وہ میں تھی، وہ آپ سب تھیں، زندگی کا حق نہیں تھا لیکن اللہ کے رسول ﷺ پر یہ بڑا ہی گراں تھا۔ بڑی مشقت میں تھے کہ کیسے زندگی کا حق دلوادیں؟ ایک اور روایت میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ ایک شخص اپنی بچی کو لے کر چلا اور اُس نے کنوئیں کے پاس جا کے اپنے ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دھکا دے کر کنوئیں میں گرادیا اور کنوئیں کے اندر سے آنے والی آوازیں، اپنے باپ کو دی جانی والی آوازیں، زندگی ہارتی ہوئی آوازیں آہستہ آہستہ مدھم پڑتی گئیں اور پھر ختم ہوگئیں، یہ زندگی تھی! یہ وہ حالات تھے جو اللہ کے رسول ﷺ کو دُکھ میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

اللہ کے گھر کے اندر، وہ گھر جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نام کے لیے، اُس کے ذکر کے لیے بلند کیا تھا، اُس کے اندر 360 بت موجود تھے، جہاں لوگ رب کو پکارنے کے لیے نہیں، اِن بتوں سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگنے کے لیے جایا کرتے تھے اور کعبے کی دیواریں اُن جانوروں کے خون اور گوشت سے لتھڑ دی جاتی تھیں جن کو وہاں قربان کیا جاتا تھا اور انسان ذہنی طور پر مشقت میں تھا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن کو پکارتا تھا جو نہ اُس کی بنا سکتے تھے، نہ بگاڑ سکتے تھے لیکن انسان دُکھ میں تھا، غلط فہمی میں تھا۔

اس دُکھ اور غلط فہمی کو اگر دیکھنا چاہیں تو ہم حلیمہ سعدیہ کی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں جنہیں محمد ﷺ کی پیدائش پر آپ ﷺ کی والدہ آمنہ نے جو تحائف دیے تھے ان میں ایک سونے کی انگوٹھی بھی تھی اور دیگر چیزیں بھی۔ قبیلے والوں نے کہا کہ اسے نائلہ (بت) پر چڑھا دو اور اس کی تصویر کشی جو ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے وہ یہ کہ حلیمہ اس بت کے سامنے موجود ہیں اور اندر ایک تلخی بھری ہوئی ہے کہ اس نے بھلا ہمارا کیا کام بنانا ہے؟ اور اگر میں یہ سونے کی انگوٹھی چڑھا دوں تو اُس تک بھلا کیسے پہنچے گی؟ یہ تو اُس مجاور کے پاس چلی جائے گی جو اس بت کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے اور جو اپنی تجوری بھر رہا ہے۔ سارے قبیلے والوں نے بہت اصرار کیا لیکن اُن کا دل بالکل نہیں مانتا تھا۔ بالآخر جب سب نے بہت مجبور کیا تو انگوٹھی اُن کے ہاتھ سے گر گئی، پھر بھی اُنہوں نے اسے اپنے دل کی خوشی کے ساتھ نہیں چڑھایا اور آپ دیکھیں کہ انسانوں سے یہ نذرانے، یہ چڑھاوے وصول کیے جا رہے تھے۔ انسان بڑی مشقت میں تھا، اُسے سمجھ نہیں آتی تھی:

کس کس کو اپنا مالک بناؤں؟

کس کس کے دَر پر جاؤں؟

کس کس کو پکاروں؟

مجھے اِن میں سے کون ہے جو زندگی میں نجات کی راہ دکھا سکتا ہے؟ نہ زندگی گزارنے کے طریقے پتہ چلتے تھے، نہ ہی ذہن کے لیے، سوچ کے لیے، شعور کے لیے کوئی راستہ ملتا تھا۔ ایک انسان کتنی مشقت میں تھا کہ اپنے لیے ضابطے خود بنائے، اُصول خود بنائے اور پھر جب انسانی تعصبات ان قوانین میں شامل ہو جاتے ہیں تو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ کبھی بیوہ عورت ان لوگوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے جو ان پر کپڑا ڈالتے تھے یعنی جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تھا تو جیسے اُس کا مال تقسیم ہو جاتا تھا، ایسے ہی اُس کی بیوی بھی، جو کل تک اُس کی بیوی تھی اُس کے جانے کے بعد بے یار و مددگار ہو جائے، اِس نیلے آسمان تلے کوئی اُس کا بچانے والا نہیں تھا، نہ اُس کی اپنی سوچ تھی، نہ رائے کی آزادی تھی، نہ کسی قسم کا اخلاق تھا۔

یہ وہ دور تھا کہ جب کسی عورت کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا تھا۔ جہاں کسی کو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ ہم اپنے لیے ضابطے، قوانین کیسے بنائیں؟ انصاف کیسے حاصل کریں؟ پانی پلانے کے پیچھے انسان مولی گاجر کی طرح کٹ کے رہ جاتے تھے۔ عرب کی تاریخ میں سترہ سو [1700] جنگیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ آپ نے جب پاکستان کی تاریخ پڑھی ہوگی تو آپ کو جو حصہ بہت مشکل لگا ہوگا، وہ جنگوں کا ہے۔ کون کون سی جنگیں ہوئیں؟ پھر ان کے اسباب کیا تھے؟ اِن کے نتائج کیا نکلے؟ یہ دو چار جنگیں بھی یاد کرنا اتنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے اور سترہ سو جنگیں! اِن جنگوں کے پیچھے ہمیں ایک فسادی اور بگڑا ہوا معاشرہ دکھائی دیتا ہے کہ جہاں انسانوں کو کسی قسم کا کوئی انصاف میسر نہیں ہے۔ وہ بے انصاف معاشرہ جہاں پر گھوڑا باندھنے کے پیچھے جھگڑا ہو جاتا تو ایک سو بیس سال کی جنگ جاری ہو جاتی۔ کبھی آپس میں چھوٹی چھوٹی بات پر تلواریں نکل آیا کرتی تھیں تو انسان کا سر یوں کٹتا تھا جیسے آپ اپنی سبزی یا پھل کو کاٹ دیتے ہیں۔ انسان کی یہ حیثیت تھی اس معاشرے میں اور اللہ کے رسول ﷺ کا دل ہمیشہ کٹ کٹ جاتا تھا کہ کیسے اس معاشرے کے اندر معاشرتی انصاف [social justice] لے کر

آئیں؟ کیسے اس معاشرے کے افراد کو انصاف دلائیں؟ کیسے اس معاشرے کو زندگی کی حقیقت سمجھا دیں؟ خود اپنے دل کی گرہ جو ابھی نہیں کھلی، خود اپنا راستہ بھی صاف نظر نہیں آتا تھا، دوسروں کو یہ راستہ کیسے دکھاتے؟

اُس دور میں رسول اللہ ﷺ کتنی مشقت میں تھے؟ انسان ایک دوسرے کے ساتھ کاروباری سلسلے میں سود لیتے تھے، سود دیتے تھے، نسلیں تک اِس نظام میں جکڑی ہوئی تھیں اور سُودی نظام میں بندھی ہوئی نسلیں کس طرح خون پسینے کی کمائی ایک کردیتی تھیں، اپنی زندگی کے لیے کوئی راستہ نہیں پاتی تھیں، سب کچھ کما کر ان کے ہاتھ میں پکڑا دیتی تھیں جن کے ہاتھ سے سود لیتی تھیں۔

میں نے اخبار دیکھا تو اپنے شوہر سے پوچھا کہ یہ نیلامِ عام کا اشتہار ہے، بینک آخر اتنی پراپرٹی کیوں بیچ رہا ہے؟ آج سے پہلے تو میں نے یہ خبر کبھی نہیں پڑھی کہ بینک نے جو پراپرٹی کی pludge ہو وہ بیچی جارہی ہو تو پتہ چلا کسی کی دس مرلے زمین ہے، کسی کی دس ایکڑ ہے، کسی کی بیس ایکڑ ہے، پچاس ایکڑ ہے، بینک اسے نیلام کررہا ہے کہ بینک سے ٹریکٹر لیا تھا یا کوئی قرضہ لیا تھا اور ادا نہیں کیا، اب بینک ان سے زندگی گزارنے کا آخری وسیلہ بھی چھین رہا ہے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا: یہ بے چارے اب کیا کریں گے؟ کہنے لگے: یہ بینک کے لوگوں نے مل کے کاروبار بنالیا ہے، ایک جائیداد کی مالیت اکیس لاکھ ہے تو اس کو سات لاکھ روپے کی بولی دے کر خرید لیں گے۔ بینکرز نے اپنی جائیدادیں بنالیں اور وہ لوگ جو اپنی نمک مرچ، دال روٹی اس زمین سے حاصل کررہے تھے اس قرضے کے عوض اپنی دو وقت کی روٹی کے لیے بھی محتاج ہو گئے۔ یوں انسان کو غلامی کرنی پڑتی ہے اور پھر غلامی میں اس کے حالات کیا ہو جاتے ہیں؟ کہ اسے انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اِس دُکھ سے نجات کیسے ملے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی کمر ٹوٹی جارہی تھی، کسی طرح انسانوں کو اِس دُکھ سے بچالوں لیکن

راستہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

آپ نے گھروں میں کتے دیکھے ہوں گے،انہیں کیسے رکھا جاتا ہے؟ گلے میں پٹا ڈال کے۔اب تو کتوں سے لوگوں کو بہت محبت ہوگئی ہے،کھانا بھی وقت پہ ملتا ہے،اِن کے لیے باقاعدہ روٹی بھی بنتی ہے،اِن کے کھانے پینے کے لیےاور بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔گلی کے کتے سے تو کسی کو سروکار نہیں ہوتا لیکن جس کتے کو باندھ لیا جاتا ہے،پھر اس سے کچھ توقعات بھی ہوتی ہیں کہ یہ حفاظت کرے یا کوئی نہ کوئی کام کرے۔دورِ غلامی کا تھا تو قافلے لٹتے تھے لڑکیاں لونڈیاں بنالی جاتی تھیں،مرد بیچ دیے جاتے تھے،اچھے بھلے کھاتے پیتے نوجوان، بچے بوڑھے، غلام بنالیے جاتے تھے،پھر انسانوں کی منڈیاں بنالی جاتی تھیں،پھر یہ منڈیاں لگتی تھیں اور انسان بِک جاتے تھے۔خریدنے والے اُن کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے؟ نہ کھانا دیتے تھے،نہ اِن کا خیال رکھتے تھے،اِنہیں زنجیریں پہنادی جاتی تھیں اور کہا جاتا تھا کہ جاؤ مانگو، خود بھی کھاؤ اور ہمارے لیے بھی لے کر آؤ۔لہٰذا غلاموں کے اتنے زیادہ برے حالات تھے کہ اگر انہیں زنجیروں سے کوئی زخم بھی پڑ گیا ہے تو کوئی ان زخموں پر مرہم رکھنے والا نہیں تھا، ہاں مکھیاں ضرور تھیں، ہاں ایسا ضرور تھا کہ وہ زخم بڑھ کر ناسور بن جاتا۔کوئی ایسا نہیں تھا جو غلاموں کے درد کو محسوس کرتا۔کئی کئی دن گزر جاتے تھے اُنہیں بھوکا پھرتے ہوئے۔نہ لباس، نہ کھانا، نہ عزت، نہ آزادی۔یہ سب کچھ کس سے چھینا گیا تھا؟ جو کل تک آزاد تھا۔انسان بہت مشقت میں تھا۔

آج اس جگہ بیٹھ کر ہم ایک غلام کی زندگی کے بارے میں تصور کرنا چاہیں تو بہت مشکل ہے۔آپ ذرا اس دُکھ اور گلے کے پٹے کو محسوس کر کے دیکھیں! جسم پر زخموں کو محسوس کر کے دیکھیں! پھر ذرا اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو محسوس کر کے دیکھیں کہ کسی کی نظروں میں آپ کے لیے کوئی محبت نہیں،کہیں کوئی خیر نہیں،کوئی آپ کی طرف ہمدردی کی نظر سے

دیکھنے والا نہیں۔ آپ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ غلام کی نظر اوپر نہیں اٹھتی تھی اور نیچے کوئی دِکھائی نہیں دیتا تھا جو مہربانی کا معاملہ کر جائے۔ انسان بڑی مشقت میں تھا اور رسول اللہ ﷺ کی کمر ٹوٹ رہی تھی کہ کیسے اس کو مشقت سے نجات دلا دیں؟

قبائلی زندگی میں کوئی قانون، کوئی ضابطہ اور کوئی حکومت موجود نہیں تھی، قبیلے کا سردار جو فیصلہ کر دیتا تھا وہی فیصلہ سب کے لیے ہو جاتا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو غلام بنا لیتا تھا اور کوئی انصاف کرنے والی قوت نہیں تھی۔ وہ بے درد ماحول صرف عرب کا ماحول نہیں تھا، پوری دنیا کے حالات ہی ایسے تھے۔ کوئی قانون انسان کے لیے ایسا نہیں تھا، کوئی ضابطہ نہیں تھا جو انسانوں کو نجات دلاتا۔ رسول اللہ ﷺ دُکھ محسوس کرتے تھے، پریشانی محسوس کرتے تھے لیکن کچھ کر نہیں پاتے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے کیا کیا؟ آپ ﷺ غارِ حرا چلے جاتے تھے، کئی کئی دن وہاں رہا کرتے تھے، ستو، پانی اور کھجوریں ساتھ لے جاتے تھے۔ کسی پل چین نہیں آتا تھا، دل کو جب روگ لگ جائے، کوئی دکھ، کوئی تکلیف ایسی کہ انسان گہرائی سے محسوس کرے تو اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا، اسے پتہ نہیں چلتا کہ اب میں کیا کروں؟

ہمارے گھر کے قریب ایک صاحب رہا کرتے تھے جو کسی اذیت میں مبتلا تھے، ہم جب کبھی گھر سے نکلتے اُس شخص کو بہت اذیت میں دیکھتے، اِتنا دُکھ اِتنی پریشانی! ایک دن ہم اُن کے گھر چلے گئے تو اُن کی بیوی نے بتایا کہ اُن کے لیے ایک انتہائی تکلیف دہ معاملہ ہے جس کی وجہ سے یہ دُکھ سے نکل نہیں پاتے، ساری ساری رات جاگتے ہیں، پریشان رہتے ہیں، نہ دُعا کام آ رہی ہے، نہ ذکر کام آتا ہے، دُکھ نے ان کی زندگی کو گھیرے میں لے لیا ہے۔
آپ ذرا اندازہ کریں اس دور میں رسول اللہ ﷺ کا دکھ کیسا تھا! کیسی اذیت تھی! کیسی تکلیف تھی! کیا کروں؟ کیسے اِس معاشرے کے حالات کو بدل ڈالوں؟ رب العزت فرماتے

ہیں کہ وہ ہم تھے جس نے وہ بوجھ اُتارا جو تمہاری کمر توڑے جا رہا تھا۔ فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ (الم نشرح:3)

''تم پر سے وہ بھاری بوجھ اُتار دیا جو تمہاری کمر توڑے جا رہا تھا''۔

بوجھ اُترا تو پھر آپ ﷺ نے کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1)

''اے اوڑھنے لپیٹنے والے!''

قُمْ ''اُٹھو!'' (لیٹنا نہیں! آرام نہیں!)

فَأَنذِرْ (2)

''پھر ڈراؤ''۔

لوگوں کو بتا دو، انجام سے باخبر کر دو، خود پتہ چلا، اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی زندگی میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر کسی نے طعنہ دیا، اذیت دی، آپ ﷺ پر کوئی الزام لگایا گیا، آپ ﷺ کے خلاف باتیں کی گئیں، پراپیگنڈہ کیا گیا، آپ ﷺ کے لیے اس علاقے میں رہنا مشکل بنایا گیا، آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں لیکن کوئی چیز آپ ﷺ کو بیٹھنے کے لیے مجبور نہیں کر سکی تھی اس لیے کہ آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنا شروع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہوئے جب آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے تو دوسرا کام رب نے کر دیا اور وہ کیا تھا؟ رب کی طرف بلانے والے خوب اچھی طرح جان لیں، سن لیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔ مثال دیکھیں گے اللہ کے رسول ﷺ کی کہ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح:4)

''ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔''

آپ ہماری صدا لگاؤ!

ہم آپ کی صدا لگائیں گے۔

آپ ہماری بات کرو!

ہم آپ کی بات کریں گے۔

آپ انسانوں کو ہمارے ساتھ جوڑو!

ہم آپ کی ذات کو بلند کر دیں گے۔

جانتے ہیں یہ بلندی انسان کو کیسے نصیب ہوتی ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں انسان سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو''۔

(اُوپر جہاز پر سے دیکھیں تو نیچے پورا منظر نظر آتا ہے، روشنیاں دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ آسمان نیچے آ گیا یا ایسا لگتا ہے کہ تارے ٹوٹ ٹوٹ کے نیچے گرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُوپر سے اپنے اتنے بندوں میں سے کہتے ہیں کہ وہ دیکھو! وہ جو تارہ ٹمٹما رہا ہے! وہ جس سے روشنی نکل رہی ہے، وہ جو ہماری آواز بلند کر رہا ہے، آپ بھی اس سے محبت کرو، اس سے پیار کرو، دل میں جگہ دو، حُبّ رکھو۔)

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان والوں کو ندا دیتے ہیں:

(نیچے بھی صدائیں لگ رہی ہیں، نیچے بھی پکار ہے، انسانوں کو رب کی طرف بلایا جا رہا ہے اور اُوپر کی پکار کیا ہے؟)

''اے آسمان والو! اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، آپ سب بھی

اُس سے محبت کرو، پھر آسمان والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ آسمان سے یہ پکار زمین پر آتی ہے، پھر زمین والے بھی اللہ تعالیٰ کے اُس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔'' (صحیح مسلم 6705)

لیکن اس محبت کے راستے میں، اس ذکر کی بلندی کے راستے میں اگر ہم دیکھیں تو طائف کی وادی بھی آتی ہے جہاں پتھر کھانے پڑتے ہیں۔ اِس راستے میں شعب ابی طالب بھی آتی ہے جس گھاٹی میں تین سال محصور رہنا پڑتا ہے، جہاں پر ایک کھجور کی گٹھلی سے پورا مہینہ گزارنا پڑتا ہے، بھوک برداشت کرنی پڑتی ہے، اذیت اور خوف کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، اُس نے یہ کام کر کے رہنا ہے۔ فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ:155)

''ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے بھوک سے، خوف سے، جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے اور خوشخبری دے دو صبر کرنے والوں کو۔''

کیسے ہیں یہ صبر کرنے والے؟

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ (البقرہ:156)

''جب کبھی اِنہیں مصیبت پہنچتی ہے''۔

اُس وقت وہ کیا پہچان جاتے ہیں؟ زندگی کے ہر موڑ پر اِنہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:156)

''ہم تو ہیں ہی اللہ تعالیٰ کے اور ہم نے اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے''۔

وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا پیغام بلند کرتا ہے، لوگوں کو رب سے جوڑتا ہے، اُس کی شخصیت کو اگر ہم پہچاننا چاہیں تو نیچے صبر ہے اور اُوپر ذکر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ (الم نشرح:4)

''ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا۔''

جہاں کوئی رب کو پکارے گا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے گا وہاں مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ بھی کہے گا ورنہ ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔ ذکر کا آوازہ اور کیسے بلند کیا گیا؟ اذان میں، نماز میں ذکر رکھ دیا، سارے ہی دعا کرو، آپ نے اگر نماز کی نیت کر لی، اگر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ اس سے فارغ ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ آپ رسول اللہ ﷺ پر درود نہ بھیج لیں۔

یہ ذکر کہاں کہاں کیسے کیسے بلند ہوتا ہے؟ آسمانوں میں تذکرہ ہوتا ہے، زمین والوں کی زبان پر بھی ذکر آ جاتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر اگر ہم دیکھیں تو اللہ تعالیٰ اس ذکر کو کیسے بلند کرتا ہے؟ کہ جو پیغام لے کر اُٹھ کھڑا ہوا، اب اس کے ساتھ اور افراد مل جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام بلند کرنے کے لیے۔

آپ ایک عجیب معاملے کو دیکھئے، نیچے بھی حرکت ہو رہی ہے اور اُوپر بھی ہو رہی ہے۔ نیچے ایک بندہ اُٹھ کھڑا ہوا، حرا سے اُترا اللہ تعالیٰ کا پیغام دینے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھی بلا لیا اور نیچے اگر رسول اللہ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اگر اپنے گھر والوں کو، اپنے خاندان والوں کو بلانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی آسمان والوں کو بلا لیا۔ نیچے اگر اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جاؤ، اُس کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے، وہی حق ہے، اُس کی ماننی ہے، اُس کے سوا کسی کی نہیں ماننی تو اوپر بھی صدا لگا دی گئی کہ اے آسمان والو! تم بھی اس سے محبت کرو، تم بھی اُس کا ذکر بلند کرو، تم بھی اُس کو یاد کیا کرو، اُس کا تذکرہ کیا کرو۔ محبت میں ذکر بہت ہوتا ہے، تذکرہ بہت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر بھی ذکر بلند کر دیا، زمین پر بھی بلند کر دیا۔

انسان کی طرف سے جتنی کوششیں شروع ہو جاتی ہیں، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

مدد بھی آجاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں سوچا بھی نہیں ہوگا کہ زمین پر بسنے والے ہر جگہ بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کو ایسے یاد کریں گے، ایسا تعلق باندھنا چاہیں گے، آپ ﷺ نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوگا کہ کوئی صحرا میں ہے، کوئی فضا کی بلندیوں میں ہے یا کوئی زیرِ زمین گیا ہوا ہے یا سمندر کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہے، وہ مجھے یاد کرتا ہے، وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الم نشرح:4)

''ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر داعی (دعوت دینے والے) کے لیے یہ پیغام ہے، نیچے اگر وہ صبر کرے گا تو ذکر کا سلسلہ اُوپر سے شروع ہوگا۔ کون ہے جو ذکر نہ چاہتا ہو؟ اللہ تعالیٰ تو اپنا ذکر کرنے والوں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰھِیْمَ (ابراھیم:41)

''اِس کتاب میں بھی ذکر کرو ابراہیم علیہ السلام کا''۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مُوْسٰی (ابراھیم:51)

''اِس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں''۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ (ابراھیم:16)

''آؤ اس کتاب میں مریم علیہا السلام کو یاد کریں''۔

کیوں؟ اس لیے کہ مریم علیہا السلام اپنے رب کو یاد کیا کرتی تھی۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا (مریم:16)

''وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہوگئی تھی''۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ (ابراھیم:54)

''اس کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرو''۔

اُس اسماعیل علیہ السلام کا جو کہتا تھا کہ میرے گلے پہ چھری چلادیں۔ یہ میرے رب کی چاہت ہے تو انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے بن گئے۔ اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے وہ نجات کی طرف بلاتا ہے، وہ سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ انسانیت کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوئے۔ انسانیت کو راستہ دکھانے والے ثابت ہوئے تو دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کو آج بھی کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے، انسانیت کو آج بھی اپنی کامیابی چاہیے! اپنی نجات چاہیے۔

اب کسے راہنما کرے کوئی؟

رب العزت نے فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء:107)

''ہم نے تو آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

پھر آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ذکر بلند کیا، ایک اور سلسلہ ہے ذکر کی بلندی کا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ زمانہ قریب ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے ضرور نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے، جزیہ موقوف کردیں گے۔ اُس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ اسے لینے والا نہیں ملے گا، اُس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہوگا۔'' (صحیح بخاری:3448)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اُتریں گے تو اُن سے کہا جائے گا: آئیں! مسلمانوں

کی جماعت کی امامت کرائیں۔ وہ کہیں گے: یہ میرے لیے حکم نہیں ہے، میں تو اسی شریعت کی پابندی کرنے کے لیے آیا ہوں، محمد رسول اللہ ﷺ کا اُمتی آگے ہوگا اور میں پیچھے۔" (صحیح بخاری:3449)

یہ ہے ذکر کی بلندی، یہ ہے اعزاز کہ جسے اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھایا اُس کو محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا پابند بنایا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (الم نشرح:4)

"ہم نے آپ ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کردیا"۔

جانتے ہیں کس وجہ سے؟ آپ ﷺ انسانیت کی فلاح کے حریص تھے۔ ذکر کی بلندی کی طرف لے جانے والی کون سی چیز ہے؟

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ

"اُن پر شاق تھا، وہ تکلیف میں تھے کہ تم مشقت میں پڑو"۔

اللہ تعالیٰ نے اِس مشقت کو کیسے کھولا؟ اپنا دین بھیج کر، اپنا طریقہ زندگی بھیج کر، اپنی طرف سے انسانوں کے لیے راہنمائی بھیج کر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا کیا طریقہ کار اختیار کیا؟ یہ ساری باتیں اس لحاظ سے سمجھنے والی ہیں کہ آج بھی اگر ہم انسانوں کی مشقت کو دُور کرنا چاہتے ہیں تو طریقہ کار وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے مشقت دور کی تھی؟ فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق:1)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَآ اَنَا بِقَارِیٍٔ

"میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

تو کہا گیا: اے محمد ﷺ! ایک ہی بات چاہیے:

اِقْرَأْ اِقْرَأْ اِقْرَأْ

ہم سے کیا چاہیے آج؟ اِقْرَأْ اس لیے کہ مشقت پڑھنے سے دور ہوگی۔ مشقتیں دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا ہدایت نامہ [instruction manual] بھیجا، اسے پڑھو، پھر اللہ تعالیٰ سینہ کھول دے گا، چاہت سے کھولے گا، کسی کی چاہت ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کُھل جائے گا اور جس کا سینہ کُھل جاتا ہے وہ اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جس کا سینہ بند ہو، پھر یہ مشقت دور ہوجائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اِس مشقت کو دور کیا، انسانوں کو زندگی گزارنے کا راستہ بتایا۔

انسان کا شعور اس کے لیے سب سے قیمتی چیز ہے۔ یہ شعور تاریکی میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے علم کی روشنی دے دی۔ انسانوں کو بتادیا کہ اُن کا رب کون ہے؟ وہ دنیا میں کیا کرنے آئے ہیں؟ اُن کا مقصدِ زندگی کیا ہے؟ دنیا میں زندگی کن کاموں کے تحت گزارنی ہے؟ اور پھر اُنہوں نے جانا رب کے پاس ہے اور جا کے جواب دینا ہے۔ پھر اپنے انجام کو پہنچ جانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا۔ آپ ﷺ نے مکہ میں تین چیزیں بنیادی طور پر واضح کیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق یعنی توحید۔ شرک کو آپ ﷺ نے رَد کیا۔

2۔ رسالت میں یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اس لیے بھیجتا ہے کہ اُن کی اتباع کی جائے۔

3۔ آخرت یعنی انسان خطرے میں ہے کیونکہ اُسے جواب دہی کرنی ہے اور اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔

پوری مکی زندگی کو دیکھیں تو مکہ میں لگتا ہے ایک ہی چیز گونج رہی ہے: انسان خطرے

میں ہے، اُس نے لوٹ جانا ہے۔ یہ جہان باقی نہیں رہنا۔ وہی اللہ ہی بچانے والا ہے۔ اُسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اُسی کی ماننی ہے۔ اُس کے سوا کسی کی نہیں ماننی۔ اگر دیکھا جائے تو بنیادی چار پانچ باتیں تھیں جن پر زور دیا جا رہا تھا اور تیرہ برس کی ذہنی اور عملی تربیت سے انسانوں کے اندر بڑی تبدیلی آ رہی تھی۔ اتنی بڑی قربانیاں دینے کے لیے انسان کو کیسے تیار کیا گیا؟

آپ نے ابولہب کی بیٹی دُرّہ کا واقعہ سنا ہوگا جب اس کے باپ نے سختی کر کے اسے باندھ دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دُرّہ میری ہے اور دُرّہ سمجھتی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کی ہوں۔ اُس نے حقیقت پہچان لی تھی اور ماں باپ نے حقیقت نہیں پہچانی تھی، نتیجہ کیا نکلا؟ دُرّہ چلی گئی! اُس نے ماں باپ کو چھوڑ دیا! اُس نے ہجرت کر لی! وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئی! اور یہ اکیلی دُرّہ نہیں تھی، ہر گھر میں یہی صورتحال تھی۔

اتنی بڑی قربانیاں لوگوں نے کیسے دے لیں؟

لوگوں کی محبتوں کے رشتے کیسے ٹوٹے؟

گھر والوں کے ساتھ تعلقات کیسے ختم ہوئے؟

حالانکہ اسلام تو گھر والوں کا حق ادا کرنے کے لیے کہتا ہے۔ اُن کو رب کے ساتھ جوڑنے کا حکم دیتا ہے، اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے لیکن یہ تاریخ کا کیسا موڑ ہے؟ جہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ جدا ہو رہے ہیں، اِن کا عقیدہ کیا بدلا کہ اِن کی سوچ ہی تبدیل ہو گئی، اِن کا رُخ ہی بدل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنیادی طور پر اِن کے دل کی گرہ کو کھولنے کے لیے اِن پر محنت کی تھی، اِن تک حق پہنچایا تھا۔

رسول حق پہنچانے والا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پہنچانے والا پہنچا دیتا ہے اور لینے والا لیتا ہی نہیں۔ مثلاً آپ کا چہرہ دوسری طرف ہے اور آپ کسی کے ہاتھ میں

گلاس پکڑا رہے ہیں اور دوسرے فرد نے بھی کسی اور طرف چہرہ کیا ہوا ہے، اب گلاس کہاں جائے گا؟ نیچے! گلاس ٹوٹ جائے گا، ٹوٹنے پہ دونوں پارٹیاں چونکیں گی لیکن گلاس ٹوٹ چکا ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے ایسے نہیں پہنچایا تھا بلکہ انتہائی اخلاص، انتہائی محبت کے ساتھ پہنچایا تھا، منہ نہیں موڑا تھا اپنے روابط سے، جن کے ساتھ گہرا تعلق تھا، آپ ﷺ انہیں ساتھ لے کر چلے تھے، مسلسل انہیں سمجھاتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ ساتھی سورۃ طٰہٰ کی وجہ سے ایمان لائے تھے تو بات فقط سورۃ طٰہٰ کی نہیں ہے، ایک لمبی مدت کی کشمکش کے بعد ایمان لانے کے لیے تیار ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی ان کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کر رہے تھے، لوگوں کو بیٹھ بیٹھ کے سمجھا رہے تھے کہ حقیقت کیا ہے؟ حقیقت کو سمجھانے کے لیے بہت مشکلات پیش آرہی تھیں لیکن جو فرد پھر سمجھ جاتا تھا، جس کے دل کی گرہ کھل جاتی تھی، وہ پکا ہو جاتا تھا۔ پھر وہ ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لیے تیار ہو جاتا تھا اور ایسا کیسے ہو جاتا تھا؟ اس لیے کہ اُسے سمجھ آجاتی تھی کہ میں مشقت میں ہوں اور میں نے اگر رب کا راستہ اختیار نہ کیا تو آئندہ ہمیشہ کے لیے یہ مشقت میرے اوپر لاگو ہو جائے گی۔

اس حوالے سے اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے کردار کو دیکھیں تو آپ ﷺ نے جینا سکھا دیا، مشرک یہ طعنہ دیتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے! تمہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ استنجا کیسے کیا جائے! پانی کیسے پیا جائے! واقعی رسول اللہ ﷺ کا احسان بہت بڑا ہے، اتنا تو ماں بھی نہیں سکھاتی اور ماں علم کے بغیر کیسے سکھا سکتی ہے! جو علم، جو عمل ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دے دیا۔ آپ ﷺ انسانوں کو زندگی گزارنے کا ایک ایک طریقہ سکھا رہے تھے، ذہنوں کی اُلجھنیں دور کر رہے تھے، ذہن میں آنے والے وسوسوں کو کیسے قابو کیا جائے؟ یہ بتا رہے

تھے، ایک اللہ کی طرف کیسے رجوع کیا جائے؟ رجوع الی اللہ سکھا رہے تھے۔ ندامت کے آنسو کس طرح سے بہہ رہے تھے! اِن ندامت کے آنسوؤں کے پیچھے دیکھیں، آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کی کوششیں نظر آئیں گی۔

اس ماحول میں اگر توبہ تھی، رجوع الی اللہ تھا، اگر ان کی زندگیاں بدل رہی تھیں، اگر ان کا معاشرہ تبدیل ہو رہا تھا، اگر اس معاشرے میں پورا معاشرتی ڈھانچہ بدل رہا تھا، اگر معاشی نظام تبدیل ہو رہا تھا، اگر سُود کے ضابطے ٹوٹ رہے تھے، اگر معاشرت کے اندر وہ قبیح رسومات چھوٹ رہی تھیں، ٹوٹ رہی تھیں، اگر قبائلی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے والوں کو ایک ریاست کی صورت میں مضبوط قوت میں ڈھل جانا نصیب ہو رہا تھا! تو جانتے ہیں پیچھے کوشش کس کی تھی؟ وہی جو منزل کی طرف اکیلا ہی روانہ ہو گیا تھا۔ حرا سے آنے والے دنیا کے اس عظیم ترین انسان کی کوششیں ہیں جن کی وجہ سے آج ہم یہاں بیٹھے ہیں، سر جوڑ کے یہ سوچنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ

ہم انسانیت کو دُکھوں سے نجات کیسے دلائیں؟

ہم اِس معاشرے کو مثالی معاشرہ کیسے بنائیں؟

ہم اس معاشرے کی اصلاح کے لیے کیا کام کریں؟

یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جنہوں نے انسانوں کی اِس مشقت کو محسوس کیا اور اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول کا نقشہ بیان فرماتے ہیں، لوگ تو اپنے بارے میں خود بتاتے ہیں ناں، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں الٰہ العالمین، رب العالمین نے بتایا ہے:

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

"تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے"۔

تم فلاح پا جاؤ! اُسے یہی حرص ہے، اتنا حریص ہے کہ یہ فکر چھوٹتی ہی نہیں! حریص

جانتے ہیں کون ہوتا ہے؟ مثلاً آپ دنیا کے حریص کو دیکھیں وہ ہر وقت نو اور ننانوے کے چکر میں رہتا ہے، ہر جگہ اُس کے ذہن میں ایک ہی بات رہتی ہے، یہ منافع مل جائے گا، یہ نقصان ہو جائے گا، فلاں کا فون نہ سنا تو اُس کے ساتھ بزنس کے تعلقات متاثر ہو جائیں گے، وہ انسان جہاں کہیں بیٹھے گا، اُس کا ذہن کہاں اٹکا رہے گا؟ دنیا میں، مال میں، بزنس میں، تجارت میں، کیونکہ حرص ہے۔

والدین اپنے بچے کی دنیا کی کامیابی کے لیے کیسے حریص ہوتے ہیں؟ شروع سے لے کے آخر تک ماں باپ کی کوششیں کیا ہیں؟ ماں ممتا بھری گود خالی کر کے بچے کو سکول پہنچا دیتی ہے، بچے کی دلجوئی کے لیے کہ وہ اپنے مقصد کے ساتھ جڑا رہے، اُس نے پڑھنا ہے، خوبصورت لنچ باکسز دلواتی ہے، پانی کی بوتلیں، اچھی اچھی چیزیں جہاں اُس کا دل اٹکتا ہے، ان کے توسط سے وہ چاہتی کیا ہے؟ یہ پڑھ جائے۔ گھر آنے پر اُسے طریقے طریقے سے سکھاتی ہے اور باقی افراد سے مدد لیتی ہے کہ بچے کو پتہ لگ جائے کہ آج کیا پڑھا تھا؟ اس کو یاد رہ جائے۔ اس کامیابی کے لیے بعض اوقات زندگی کے سولہ سال، بعض اوقات اٹھارہ سال قربان کرتی ہے، رات دن ایک ہی فکر ہے، تیار کر کے بھیجنا ہے، یونیفارم ٹھیک ہو، کتابیں ٹھیک ہوں، بیگ ٹھیک ہو، لنچ باکس ٹھیک ہو، پھر جب وہ واپس آئے تو اُس کا ہوم ورک ٹھیک ہو، اُس کو یاد ٹھیک ہو، جہاں کہیں سے اُسے مدد لینی پڑے ٹیوشنز کے ذریعے سے یا کسی اور طریقے سے، اُس کو ہر وقت یہی فکر کیوں ہے؟ وہ چاہتی ہے کہ میرا بچہ کامیاب انسان کی حیثیت میں زندہ رہے۔ حرص ہے بچے کی کامیابی کی!

اب آ جائیے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور ساری ہی انسانیت کے لیے حرص اُن کے دل کے اندر جمع ہو گئی، سارے انسان کامیاب ہو جائیں، انسان ناکام نہ ہو، انسان کو نجات مل جائے! آپ ﷺ کے اندر یہ حرص کیسی ہے؟ یقین کریں یہ حرص **ایک دعوت**

دینے والے کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔دوسروں کی کامیابی کی یہ حرص نہیں ہوتی تو انسان کوئی بات عام سے انداز میں کسی سے کہہ دیتا ہے، بعد میں اس کے بارے میں سوچتا بھی نہیں کہ میں نے کوئی بات کہی تھی، پیچھا نہیں کرتا اور پیچھا نہ کرنے کی وجہ سے پھر مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ پیچھا کیسے کیا جاتا ہے؟ مثلاً ماں نے اٹھارہ برس پیچھا کیا، سولہ برس پیچھا کیا، بارہ برس پیچھا کیا، جتنا بھی اُس کے لیے ممکن ہے۔اب جب پیچھا کیا تو نتیجہ کیا نکلا؟ کسی کا بچہ زیادہ اچھا پڑھ گیا اور اُسے بہتر کامیابی مل گئی، کوئی درمیانی درجے پہ، کوئی پیچھے رہ گیا کیونکہ ماں کتنی ہی حریص ہو، کئی بچے پھر بھی بچ کر نکل جاتے ہیں، قابو نہیں دیتے، ہاتھ نہیں آتے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کو دعوت دی، ان کے لیے آپ ﷺ کو حرص تھی، آپ ﷺ کی یہ حرص ظاہر کیسے ہوئی؟ آپ ﷺ کے ساتھ جو بھی جڑا، آپ ﷺ نے پھر اپنے سے کاٹا نہیں، اُس کی مسلسل تربیت کی، اُس سے مسلسل رابطہ رکھا۔ایسا کیوں تھا کہ آپ ﷺ جہاں جاتے تھے لوگ وہیں اکٹھے ہو جاتے تھے۔آپ ﷺ اگر دارِ ارقم میں گئے تو لوگ وہاں ہیں۔آپ ﷺ اگر شعب ابی طالب میں ہیں تو سارے اپنے گھروں کو چھوڑ کر وہاں ہیں۔جہاں جاتے تھے وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے۔وہ کیا لیتے تھے؟ آپ ﷺ اُنہیں کیا دیتے تھے؟ آپ ﷺ اُنہیں کامیاب ہونے کے گُر بتاتے تھے۔

آج بھی دیکھیے تو زیادہ تعداد میں وہ کتابیں فرخت ہوتی ہیں جن میں کامیابی کا راستہ نظر آئے مثلاً کامیاب ہونے والے لوگ، سو بڑے کامیاب لوگ، کامیابی کا راستہ، شاہراہِ کامیابی Road to secess وغیرہ۔کامیابی [Sucess] ایسی چیز ہے جو انسان کو پکڑ لیتی ہے، انسان کامیاب ہونا چاہتا ہے لیکن وہ خود اپنے لیے اتنا حریص نہیں ہے جتنا رسول اللہ ﷺ حریص تھے اور یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''۔

اگر آپ ﷺ پر لوگوں کا مشقت میں پڑنا شاق گزرتا ہے تو ہمیں کیا کرنا ہے؟ ہمارے اندر کیا بات پیدا ہونی چاہیے؟ لوگوں کا غم، دکھ لگالیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا:

وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ (رحمۃ العالمین)

''غم میرا دوست ہے''۔

انسانوں کا غم تھا جس کو آپ ﷺ نے اپنا رفیق بنالیا تھا۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو انسانوں کا غم تھا تو ہمارے لیے کرنے والا کام کون سا ہے؟ اپنی کامیابی کے لیے جیسے حریص ہیں، ایسے ہی ہر ایک کی کامیابی کے لیے حریص ہونا ہے کہ کسی طرح آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ آپ جب یہ حرص اپنے اندر پال لیں گے، پھر آپ کو ایک وسیع میدان ملے گا، آپ چھوٹے سے کنوئیں سے سمندر میں آجائیں گے، وسیع سمندر ہے اور اس سمندر میں انسانوں کو کامیاب کرنے کے بڑے مواقع ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کے بیڑے کو پار کروانے کے لیے آپ کوشش کر سکتے ہیں، مددگار بن سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو یہ ندا خود اپنے رسولوں کے توسط سے دیتا رہا ہے:

مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (اٰلِ عمران:52)

''کون اللہ تعالیٰ کے راستے میں میرا مددگار ہوگا؟''

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ (اٰلِ عمران:52)

(کل) حواریوں نے کہا تھا: ''ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے مددگار''۔

حواری حور (ح ور) سے ہے۔ دھوبیوں کے لیے بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے کہ دھوبی گندے میلے کپڑوں کو سفید اور صاف ستھرا کر دیتا ہے۔ آج بھی رسول اللہ ﷺ کے حواریوں کو انسانی کردار اور انسانی معاشرے کو اسی طرح اُجلا اور پاک کرنا ہے۔ اس معاشرے

کو پاک صاف، دھلا ہوا، اصلاح شدہ معاشرہ بنانا ہے، اِس کی اصلاح کے کام کرنے ہیں اور یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ وہ ایک اکیلے شخص کا سفر تھا، پھر یوں ہوا کہ لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ کل بھی ایک انسان کا سفر تھا، آج بھی ایک ہی انسان کا سفر ہے اور ایک انسان جب چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ بس اپنا مقصد واضح رکھیں، ذہن میں حاضر رکھیں کہ مشن کیا ہے؟ انسان کی اصلاح، معاشرے کی اصلاح اور ساری دنیا کی اصلاح۔

اللہ تعالیٰ نے اصلاح کرنے والے کے بارے میں فرمایا:

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ

"تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے"۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

"ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے"۔

دو الفاظ ہیں: رأفت اور رحمت۔ رأفت کہتے ہیں دل کی نرمی کو اور رحمت کہتے ہیں بے غرض محبت، بے غرض عطا، بے غرض بخشش کو اور انسانیت کے نجات دہندہ کی دو خصوصیات اللہ تعالیٰ نے اجاگر کی ہیں: 'نرم دلی اور رحمت'۔ یاد رکھیے: یہ رأفت، یہ رحمت کافروں کے حصے میں نہیں آئے گی۔

بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ الرَّحِيمٌ

"مومنوں کے ساتھ شفیق اور رحیم ہیں"۔

شفقت کرنے والے ہیں، محبت کرنے والے ہیں، بے غرض تعلق رکھنے والے ہیں۔

پھر فرمایا:

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ

"پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو: اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہے"۔

نجات دہندہ نے جب انسانوں کو دعوت دی تو بہت سے انسانوں نے منہ پھیرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دعوت کے راستے میں لوگ منہ پھیریں تو کہہ دو اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کرلیا اور وہ ہے رب عرشِ عظیم کا''۔

توکل کرنے والا اپنے راستے میں مشکلات بھی پاتا ہے اور آسانیاں بھی تو اللہ تعالیٰ نے دعوت دینے والے کو، نجات دلانے والے کو یہ راستہ بتایا ہے کہ

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح:6)

''یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے''۔

تنگیاں اور آسانیاں زندگی کی حقیقت ہیں۔ پھر جب تنگی آئے تب انسان کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے لائحہ عمل بتایا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (الم نشرح:7)

''پھر جب آپ فارغ ہو جاؤ تو گڑ جاؤ''۔

عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ، جم کے کام کرو، ڈٹ کے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلق کے لیے بھی اور دوسروں کا تعلق رب سے جوڑنے کے لیے بھی۔

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (الم نشرح:8)

''اپنے رب ہی کی طرف راغب رہو''۔

یہ زندگی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ رب کا تعلق وہیں سے شروع ہوتا ہے اور آخر میں یہ تعلق کہاں تک پہنچ جاتا ہے؟ رغبت تک۔

اللہ کے رسول ﷺ انسانوں کے لیے نجات دہندہ ہیں اس کے لیے آپ ﷺ نے ذاتی کوششیں کیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت آپ کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں: اُن سے کسی نے یہ سوال کیا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا! آپ یہ بتائیے کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ اُنہوں نے حیرت سے پوچھا: ''کیا قرآن نہیں پڑھا؟'' پھر جواب دیا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن (صحیح مسلم:1739)

''اُن کے اخلاق، وہ تو چلتا پھرتا قرآن تھے۔'' قرآن کی عملی تصویر۔

آج بھی دعوت دینے والی کو یہی بات ذہن میں رکھنی ہے، صاحبِ عمل رہنا ہے، باعمل ہو کے دعوت دینی ہے۔ علم، عمل، اور دعوت، یہی دین کی تین بنیادیں ہیں۔

طالبات کے احساسات

طالبہ 1: ہمارا رویہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کوئی تکلیف میں ہو، پریشانی میں ہو تو ہم کہتے ہیں کہ چھوڑو ہمیں کیا؟ اپنے لیے اور پریشانیاں کیا کم ہیں؟ تو میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے اس رویے کی اصلاح کروں گی۔ لوگوں کی تکلیف اور دکھ کو اپنا دکھ محسوس کرنا ہے اور کوشش کرنی ہے کہ اس میں کمی کی جائے۔ انشاءاللہ

استاذہ: اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے پہلو دیکھنا چاہیں تو بالکل مرکز میں تعلق باللہ ہے، آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق۔ دوسرے دائرے میں دیکھنا چاہیں تو آپ ﷺ کی ذات کا دوسرے انسانوں سے تعلق ہے، دوسروں کے لیے آپ ﷺ کی ذات کیا تھی؟ اسوۂ حسنہ، بہترین نمونہ۔ ہر میدان میں آپ ﷺ بے مثال رویہ رکھتے تھے اور انسانوں کے ساتھ آپ ﷺ کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟ آپ ﷺ کے دوسروں کے ساتھ کیسے تعلقات تھے؟ آخری محور میں جو چیز ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ ہے خدمت۔ خدمت ہی دعوت ہے۔ انسانوں کے دکھ کو جب ایک انسان اپنا غم بنالیتا ہے تو یوں وہ اعتماد حاصل کرتا ہے اور وہیں سے وہ اس بڑے

دُکھ سے اُس کو بچانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔

انسانیت کا دُکھ انسان کیسے محسوس کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے وقت لگایا تھا، ایسے ہی دُکھ محسوس نہیں ہوا تھا کہ آپ کہیں ہم چلتے پھرتے رہیں، سوتے رہیں، کھاتے پیتے رہیں اور دُکھ بھی محسوس ہونے شروع ہو جائیں۔ دُکھ کیسے محسوس ہوتے ہیں؟ سوچنے سے، غور و فکر کرنے سے اور تنہائی میں یاد کرنے سے، تب انسانوں کے دُکھ، اُن کی تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں۔

طالبہ 2: آج بھی ویسا ہی دور ہے، ویسی ہی مشقتیں ہیں، ایک بگڑا ہوا سماجی دور بھی ہے لیکن مشقت اتنی محسوس نہیں ہوتی۔ اپنے اردگرد برائیاں دیکھتے بھی ہیں پھر شاید انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

استاذہ: اصل میں غور و فکر نہیں کرتے، اگر ان برائیوں کے بارے میں غور و فکر کریں کہ معاشرے کی کیا حالت ہے؟ کیا صورتحال ہے؟ انسان ان کو محسوس کرتا ہے، پھر ان کو دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب تک ایک انسان کراہت کے آخری مرحلے تک نہیں پہنچ جاتا، اُس وقت تک وہ اس کو اپنا کام نہیں بناتا، اِس کو دُور کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ مثلاً گھر کے اندر بہت گندگی پھیلی ہوئی ہے، آندھی آئی اب آپ کسی طریقے سے برداشت نہیں کر پاتے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اللہ کرے کوئی اور ہی یہ صفائی کر جائے لیکن کوئی بھی نہیں ملا، آخرِ کار آپ کیا کریں گے؟ چیزوں کو جھاڑیں گے، صفائی کریں گے، بیٹھنے کی جگہ بنائیں گے لیکن یہ اُسی صورت میں ہو گا جب آپ کو صفائی سے محبت ہو گی۔ اگر آپ گندے ماحول میں رہنے کے عادی ہیں تو بہت آسان ہے کہ صاف کرنے کی بجائے کچھ اور گندگی بڑھا دیں۔

طالبہ 3: انسانوں کے اندر رہنے سے یہ دُکھ کا جذبہ صحیح طرح سے اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ مجھے ایک محفل میں جانے کا اتفاق ہوا اور میں ایک خاتون کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی اور وہ تشہد میں بیٹھی ہوئی تھیں تو شاید انہیں میرا پاؤں لگا تو نماز پڑھتے ہوئے کہتی ہیں sorry، تو اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ کلام تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کر رہی ہیں لیکن بیچ میں مجھے کیوں جواب دے رہی ہیں؟ میری شدت سے یہ خواہش ہوئی کہ میں ان کو بتاؤں کہ دراصل ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بنانا ہے اور یہ چیزیں ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُور کرتی چلی جا رہی ہیں۔

اسی طرح مجھے جو سب سے زیادہ دکھ محسوس ہوتا ہے وہ شہر کے سائن بورڈز کو دیکھ کے، اِسی طرح جس وقت بچیاں یونیورسٹی سے نکل رہی ہوتی ہیں اُس وقت بھی میرے دل میں یہ تڑپ ہوتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنا ہے لیکن مجھے راستے سمجھ میں نہیں آتے۔

استاذہ: اللہ تعالیٰ خود ہی راستے سُجھاتا ہے، وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسول ﷺ کا بوجھ بھی خود ہی اُتارا تھا۔

طالبہ 4: آج یہ بات چیت سننے کے بعد رسول پاک ﷺ سے سچی محبت محسوس ہو رہی ہے کہ واقعی اُنہوں نے ہماری خاطر اتنی تکلیفیں اٹھائیں، میری خاطر! مجھے نجات دلانے کے لیے اُنہوں نے اتنی کوششیں کیں تو مجھے بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی الحمدللہ انسان بنایا، صلاحیتیں دیں تو میں نے بھی حریص بننا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور پیچھے لگنا ہے۔ میرا یہ حال ہوتا ہے کہ عام لوگوں کو دعوت دی اور پھر بھول گئے۔ آج میں نے یہ سوچا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ پیچھے لگنا ہے، حریص بن کر دعوت دینی ہے۔

طالبہ 5: جیسے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی تھی، میں نے بھی یہ محسوس کیا ہے کہ اُس وقت جو لوگ تھے وہ اسلام کو جانتے نہیں تھے، کافر تھے، مشرک تھے۔ آج ہم کہنے کو مسلمان ہیں لیکن لاشعوری طور پر، صرف زبان سے کلمہ پڑھا ہوا ہے تو ان کے اور ہمارے اختلافات بالکل ایک جیسے ہیں۔ اس لیے آج کتنی ضرورت ہے اپنے جیسے لوگوں کے عقائد کو صحیح کرنے کی، اِن کو بتانے کی اور اِن میں شعور پیدا کرنے کی، آج شعوری اسلام لانے کی ضرورت ہے اور اِس کے لیے کوشش کرنی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

طالبہ 6: آج جیسے بات کا آغاز ہوا کہ نبی ﷺ پہلے غارِ حرا میں جایا کرتے تھے تو میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ پہلے کیا کرتے ہوں گے؟ اور وہ کیوں جاتے تھے غارِ حرا میں، وحی تو ابھی نہیں آئی تھی اور ایسا بھی نہیں تھا کہ اُن کو پتہ تھا سب کچھ، اصل میں وہ جا کے پریشان ہوتے تھے تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ دُکھ تھا جو اِنہیں غارِ حرا میں لے جاتا تھا اور دُکھ بھی اتنا شدید تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اِنہیں وحی کا سلسلہ بھی دیا اور پھر اِنہیں راہنمائی دی۔ ہمارے پاس الفاظ وہی ہونے کے باوجود بھی دُکھ نہیں ہے جو اُن کے پاس پہلے سے موجود تھا۔

استاذہ: اصل میں وحی موجود ہو یا نہ ہو، غور و فکر کرنا انسان کی ذمہ داری ہے، سوچنا، غور و فکر کرنا، شعور کو کام میں لانا۔ جو بھی شعور کو کام میں لاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے راستے آسان کر دیتا ہے۔

طالبہ 7: ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہم جب لوگوں کو دعوت دیں تو لوگ اچھا رسپانس دیں لیکن جب جواب اچھا نہیں ملتا تو برداشت کیسے کریں؟ اور اپنے اندر بے غرض محبت کیسے پیدا کریں؟

استاذہ: ایک انسان جب اپنی نظریں دنیا والوں پہ رکھتا ہے تو بے صبرے پن میں

مبتلا ہوتا ہے لیکن جب ایک انسان اپنی طرف دیکھتا ہے کہ یہ میری خطا ہے، میری غلطی ہے تو اُس کے لیے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اپنی غلطی کو تلاش کریں، آپ عملی طور پر کر کے دیکھئے، غلطی کو تلاش کرنے والا صبر کر لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اخلاص کیسے پیدا ہو؟ بے غرض محبت کیسے پیدا ہو؟ مقصد کے شعور سے۔ جتنا زیادہ مقصد کا شعور پیدا کرتے چلے جائیں گے، جیسے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ہم نے دیکھا تو یہ اخلاق پیدا کرنے کا طریقہ ہے کہ ہم اسوۂ حسنہ کو پڑھیں، نبیوں کے جو واقعات قرآن میں بتائے گئے ہیں، ان میں ایک ہی چیز ربُ العزت نے بتائی ہے کہ جس سے ہم نے اُنہیں خالص کر رکھا تھا اور وہ کیا چیز تھی؟ ذکر الدّار۔ آخرت کی یاد سے انسان خالص ہوتا ہے۔ اپنے انجام کو سامنے رکھنے سے انسان خالص ہوتا ہے۔

طالبہ 8: ایک بات پوچھنی ہے کہ آپ کے اندر کوئی جذبہ ہوتا ہے، آپ کچھ کرنا بھی چاہ رہے ہوتے ہیں، کر بھی سکتے ہیں لیکن آپ کو لگتا ہے کہ جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں وہ کر نہیں پا رہے، پھر آپ کو لگتا ہے اندر ہی اندر جنگ کی سی ایک کیفیت ہونے لگتی ہے۔

استاذہ: علامہ اقبال فرماتے ہیں:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے

انسان کرنا چاہتا ہے اور کر نہیں پاتا، اس کا یہ مطلب ہے کہ ماحول مخالف ہے۔ ماحول کی یہ مخالفت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اگر یہ مخالفت نہ ہو تو انسان آگے ہی نہ جائے۔ اسی لیے نبیوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

وَالْجِنِّ (الانعام:112)

''ہم نے تو اِسی طرح ہر نبی کا شیطان جنوں اور شیطان انسانوں میں سے دشمن بنا دیا ہے''۔

وہ شیاطین کیا کرتے ہیں؟ یہ بات اہم ہے۔ پورا [package] پیکج ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (الانعام:112)

''جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں، دھوکے اور فریب کے طور پر القاء کرتے ہیں۔ اگر تمہارے رب کی مشیت یہ ہوتی کہ وہ ایسا نہ کریں تو وہ کبھی نہ کرتے۔ پھر تم اُنہیں اُن کے حال پہ چھوڑ دو کہ اپنے دھوکے اور افتراء پردازیاں کرتے رہیں''۔

اس کا مطلب کیا ہے؟ پرواہ نہیں کریں کہ کون کیا کہتا ہے، آپ اپنا کام کریں اور جو رکاوٹیں آتی ہیں ان کو برداشت کریں۔ جتنا برداشت کریں گے آپ ایک قدم اور آگے چلے جائیں گے، ترقی کا راستہ یہی ہے۔

طالبہ 9: جب کوئی کام نہیں ہوتا پھر اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتے ہیں۔

استاذہ: کرنا بھی چاہیے، کام نہیں کیا تو مجرم ہی ہیں۔ اب اِس جرم کے احساس سے کون نجات دِلا سکتا ہے؟ پچھتاوے میں رہنا چاہیے۔ جو کام ذمہ ہے اُس کام کو تو پورا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا کام ہے، جس طرح سے باقی کام ہیں اسی طرح یہ کام بھی ہم نے کرنا ہے۔

طالبہ 10: رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیے ہیں، جی چاہتا ہے کہ یہی اپنا لیں، یعنی گھر میں دل

نہیں لگتا جیسے پہلے لگتا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ اسلام کی دعوت ہم ہر طرف پھیلا دیں تو کیسے Manage کریں؟

استاذہ: پہلی بات یہ ہے کہ اپنے سامنے رسول اللہ ﷺ کی Management کو رکھیں، بہت سارے معاملات آسان ہو جائیں گے۔ جیسے میں سوچتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا کون سا بوجھ اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا کی تو آپ ﷺ کی زندگی میں بہت بڑی تبدیلی آئی تھی مثلاً آپ ﷺ تاجر تھے، بہت اچھا کاروبار تھا جو متاثر ہو گیا، آپ ﷺ کے گھر میں کھانا بھی نہیں بن سکتا تھا، پھر تبدیلی تو آئی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال بھی ختم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اسی طرف لگنی شروع ہو گئی، توازن [Balance] تو آپ ﷺ قائم کرتے تھے لیکن ایسا نہیں جیسا لوگ چاہتے تھے، سارا وقت دنیا کے کام ہوں اسی کو لوگ توازن قرار دیتے ہیں لیکن اصلاً یہ دیکھنا ہے کہ کرنے والے کام کون سے ہیں؟ اور کس حد تک کرنے ہیں؟ جو اپنے فرائض ہیں وہ پہلے انجام دینے ہیں لیکن فرائض میں یہ لازم نہیں ہے کہ آپ دس کھانے روزانہ بنائیں گے یا آپ اسی طرح کی بے مقصد، بے فائدہ سرگرمیوں میں مصروف رہیں گے تو کام نہیں ہوگا، کہیں تو cut لگانا پڑتا ہے۔ ضرورت کے کام ہوں گے، غیر ضروری چھوٹیں گے تو وہ بڑا ضروری کام ہوگا، اس کو Manage کر لیں۔ یہ فوراً ممکن نہیں ہوتا، انسان آہستہ آہستہ سوچتا ہے پھر بہتری کی طرف جاتا ہے۔

یہ باتیں طے کر لینی چاہئیں، پتہ لگنا چاہیے کہ یہ میرے فرائض ہیں، یہ کام ہیں جو میں نے گھر کے افراد کے لیے کرنے ہیں، رشتہ داری کو جوڑنے کے لیے کرنے ہیں اور یہ میں نے اللہ کے دین کے لیے وقت نکالنا ہے اور سارے ملنے والوں کو معلوم ہونا

چاہیے کہ یہ میرے اوقاتِ کار ہیں، اُن کے دکھ سکھ میں شریک ہوں، آنا جانا بھی جاری رکھیں، کچھ عرصے تک حالات معمول پر آ جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ شروع میں مشکل ہوگی، ابتداء میں آندھی کی شدت ہوتی ہے تو ماحول بے ترتیب ہو جاتا ہے لیکن پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، ظاہر ہے زندگی کی روٹین میں تبدیلی آنا کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہے۔

طالبہ 11: ہم کیسے دوسروں کے لیے حریص بن سکتے ہیں؟

استاذہ: دوسروں کے بارے میں سوچ کے، اُن کے مقصدِ زندگی کو سمجھ کے اور اپنی زندگی میں کرنے والے کاموں کو سامنے رکھ کے، رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر کے۔ حرص بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہے۔ کہتے ہیں ناں نواور ننانوے کا چکر تو اس چکر میں آ جائیں، یہ رسول اللہ ﷺ کا راستہ ہے۔ اس راستے پر ایک دفعہ چلے آئیں، آہستہ آہستہ پھر آپ کے دل میں یہ بات پیدا ہونی شروع ہو جائے گی اور مجھے ذاتی طور پر یہ لگتا ہے کہ انسانوں کے لیے اگر کچھ کرنا شروع کر دو تو پھر کچھ اور کرنے کی تمنا بڑھتی ہے کیونکہ Achievement کا احساس ہوتا ہے کہ ہاں واقعی کچھ ہو سکتا ہے۔ اگر آپ گھر بیٹھ کے کرنا چاہیں تو ایسا ہو نہیں سکتا، یہ تو باہر نکلنے کے کام ہیں۔

طالبہ 12: پہلے گھر والوں کے لیے، رشتہ داروں کے لیے حریص ہونا چاہیے یا پہلے دوسرے افراد کے لیے حرص ہونی چاہیے؟

استاذہ: بولنا پہلے چاہیے یا سانس پہلے لینا چاہیے یا بیٹھنا پہلے چاہیے؟ سارے کام اکٹھے ہی ہونے چاہئیں۔

طالبہ 13: مجھے گھر والے یہ کہتے ہیں کہ آپ پہلے اپنے رشتہ داروں کے لیے یہ کام کریں، پھر

کسی اور کے لیے۔

استاذہ: مثال کے طور پر سکول میں ایک کلاس میں ایک بچہ بہت نالائق ہے۔اب اگر ایک پرنسپل یہ کہے کہ پہلے ہم سارے سکول کے کام چھوڑ کے اس بچے پر توجہ دے لیں تو ایسا ممکن نہیں ہوگا،اس بچے کی طرف توجہ دینی ہے،اسٹاف بھی توجہ دے گا،سب لوگ دیں گے لیکن نہ تو سکول کی مینجمنٹ کے کام رکیں گے، نہ باقی کلاسز ڈسٹرب ہوں گی، نہ ان بچوں کے لیے Remidial Classes کا سلسلہ چھوڑا جائے گا۔ کام تو سارے ہی کرنے پڑتے ہیں۔اس کو اگر خانوں میں بانٹ لیں تو پھر کام صحیح نہیں ہوسکتا۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں تو انہیں بھی پورا کرنا ہے۔میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے گھر والوں کے لیے سوچنا چاہیے،پھر اپنے علاقے والوں کے لیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ صرف اُنہی کے لیے کرتا چلا جائے،باقی چھوڑ دے،باقی افراد کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے۔بہر حال اُن کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

طالبہ 14: اگر توازن نہ رکھیں تو انسان اکیلا ہو جاتا ہے۔

استاذہ: توازن رکھنا ضروری ہے لیکن یہ لوگوں کی خواہش کے مطابق نہیں رکھا جائے گا۔اس کے لیے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے''۔

یہ دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور گھرانے میں یہ توازن کس طرح سے تھا؟ ہم تو نمونے کی زندگی کو دیکھیں گے،اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دیکھیں گے،اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے کیسے توازن قائم رکھا؟

طالبہ 15: ہم اس مقام تک کیسے پہنچیں کہ اللہ تعالیٰ کہیں:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا (الکھف:6)

استاذہ: اس مقام تک پہنچنے کے لیے بھی طریقۂ کار تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کی زندگی میں دیکھیں: آپ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کو دعوت دی، غم محسوس کیا، پھر آپ ﷺ کوہِ صفا پہ چڑھے، مجھے لگتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کوہِ صفا پہ نہ جاتے تو آپ ﷺ کو اتنا غم نہ لگتا، جب آپ ﷺ کو کہا گیا:

''تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں! تو نے ہمیں اس لیے بلایا تھا؟'' دُکھ لگ گیا ناں!

اور دُکھ یہ نہیں لگا تھا کہ اُنہوں نے مجھے ایسا کیوں کہا بلکہ یہ دُکھ محسوس ہوا کہ اِن کو سمجھ کیوں نہیں آتی؟ ان کو پتہ کیوں نہیں لگتا؟ یہ اپنی زندگی کی حقیقت کو کیوں نہیں سمجھتے؟ اسی طرح آپ ﷺ کا مسلسل دعوت دینا۔ مسلسل دعوت دینے سے انسان ٹوٹتا ہے، وہیں سے انسان کو غم لاحق ہوتا ہے اور یہ کام کرتے رہیں تو آہستہ آہستہ یہ غم بھی بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔

طالبہ 16: نبی ﷺ تو شروع میں اکیلے اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتے تھے اور سارا معاشرہ تبدیل ہو گیا لیکن آج اتنے سارے لوگ کام کر رہے ہیں، تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ وجہ کیا ہے؟

استاذہ: کام ٹھیک نہیں ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اُس طرح سے نہیں آتی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پلان نہیں کیا ہوا کہ پہلے کیا چیز سکھانی ہے؟ جیسے اُس دور میں انسانوں کی مائنڈ سیٹنگ ہوئی تھی آج نہیں کی جا رہی۔ جب تک آپ

لوگوں کے شبہات، اعتراضات کے بارے میں ان کے ساتھ بیٹھ کے بات نہیں کریں گے، اُن کا دل بھی مطمئن نہیں ہوگا اور دعوت بھی کامیاب نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں دعوت کی حرص عطا فرمائے ہمیں انسانیت کا غم نصیب کرے، اپنی کامیابی کی لگن عطا فرمائے اور دوسرے انسانوں کی کامیابی کی حرص عطا فرمائے۔ (آمین)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ